نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

امثال القرآن

قرآنِ حکیم کا ہر پڑھنے والا جانتا ہے کہ اس میں تمثیلات بکثرت وارد ہوئی ہیں، اور جن کی نگاہ سابقہ کتبِ سماویہ بالخصوص انجیل پر بھی ہے وہ جانتے ہیں کہ تمثیلات کے ذریعے ابلاغ وتفہیم تمام آسمانی کتابوں کا مشترک وصف ہے اور انجیل میں تو یہ وصف انتہا درجے کو پہنچا ہوا ہے۔

ان تمثیلات کی حکمت کے ضمن میں قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر وضاحت کی ہے کہ ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ غور وفکر سے کام لیں اور تعقّل وتفکّر کی روش اختیار کریں۔ مثلاً سورۃ الحشر کی آیت ۲۱ میں ارشاد ہوتا ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ "اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں"۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۳ میں ارشاد ہوتا ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ "اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں صرف اصحابِ علم ہی سمجھ پاتے ہیں"۔ اسی طرح سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۵ میں ارشاد ہوتا ہے: وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ "اور اللہ لوگوں کے لیے تمثیلیں بیان کرتا ہے تاکہ انہیں یاددہانی حاصل ہو سکے"۔ اس موضوع پر قرآن مجید کا اہم ترین مقام سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے: وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ "اور اللہ تمثیلیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے اور خود وہ تو ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔ یعنی تمثیل کی ضرورت انسانوں کو ہے، اللہ کو نہیں۔ اللہ کو تو ہر چیز کا کما حقّہ اور کماہی علم حاصل ہے اور وہ ہر چیز کی اصل کنہ سے پوری طرح باخبر ہے۔ البتہ بعض مشکل اور لطیف حقائق کے ضمن میں جن کے کامل ادراک سے عقلِ انسانی عاجز رہ جاتی ہے، انسان کی ضرورت کے تحت تمثیلات بیان کی جاتی ہیں۔

انجیل میں ہے کہ ایک بار حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک شاگرد نے آنجناب سے استفسار کیا کہ "استاد! آپ تمثیلوں میں کیوں کلام کرتے ہیں؟" جس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا:

"تاکہ وہی سمجھیں جن کا سمجھنا مفید ہو۔" یہ تمثیلوں کی حکمت کا دوسرا پہلو ہے یعنی یہ کہ بعض اعلیٰ علمی مضامین جن کا فہم صرف اصحابِ دانش ہی کے لیے ممکن بھی ہو اور مفید بھی، تمثیلات کے پیرائے میں بیان کر دی جائیں تاکہ وہ تو اُن کے ذریعے پوری بات کو پالیں لیکن عوام النّاس جو اِن اعلیٰ علمی حقائق کا تحمّل نہ کر سکتے ہوں اور جن کے، اُن کے ذریعے بہک جانے کا امکان ہو وہ اُن پر سے سرسری طور پر گزر جائیں اور اس طرح فتنے میں پڑنے سے بچ جائیں۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۶ میں ایک نہایت فصیح و بلیغ تمثیل بیان ہوئی ہے جس میں ایک صاحبِ علم و فضل انسان کے حرص و ہوا کے دام میں پھنس کر اخلاقی پستیوں میں مبتلا ہو جانے کو کُتّے سے تشبیہ دی گئی ہے، جو ہر حال میں ہانپتا رہتا ہے اور اُس کی زبان نکلی ہی رہتی ہے اور وہ چلتا ہے تو ہر دم زمین کو سونگھتے ہوئے ہی چلتا ہے کہ شاید کہیں کوئی چیز کھانے کی مل جائے۔ اس تمثیل کے صحیح فہم اور اُس کی فصاحت و بلاغت کا کسی قدر اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آیات ۱۷۵ تا ۱۷۷ کا ترجمہ سامنے رکھا جائے جو یہ ہے:

"اور اے نبی! اِن لوگوں کو اُس شخص کا حال سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائیں لیکن وہ اُن سے نکل بھاگا۔ پس شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا اور بالآخر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو اُسے اُن آیات کے ذریعے رفعت و بلندی مرحمت فرماتے۔ لیکن وہ تو زمین ہی کی جانب جھکتا چلا گیا اور اس نے اپنی خواہشات و شہوات کی پیروی اختیار کر لی۔ تو اس کی مثال کُتّے کی سی ہے کہ اگر تم اس پر بوجھ ڈالو تب بھی زبان نکالے رکھتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رکھتا ہے۔ یہ مثال ہے اُس قوم کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پس (اے نبی!) انہیں سرگزشت سنائیے شاید کہ وہ غور کریں۔ بُری ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس طرح خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا!"

یہ آیات سورۃ الاعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور بنی اسرائیل کے طویل تذکرے کے فوراً بعد وارد ہوئی ہیں اور ان کے ذریعے کسی مسلمان اُمّت کے زوال، اضمحلال، اور فساد و بگاڑ کا نقشہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ کتابِ الٰہی کی حامل اور آیاتِ الٰہی کی امین ہونے کے باوصف، لذّاتِ دُنیوی اور خواہشات و شہواتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر بالکل کُتّے کی سی کیفیّت کی حامل ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

واضح رہے کہ یہی مضمون سورۃ الجمعہ میں بھی وارد ہوا ہے، جہاں ایسی قوم کو جو حامِل کتابِ الٰہی بنائی گئی ہو، لیکن اُس کی ذمّہ داریوں کو ادا نہ کرے، ایسے گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ "اُن لوگوں کی مثال جو حامِل تورات بنائے گئے تھے، پھر انہوں نے اسے نہ اُٹھایا، اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔"

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۶ میں اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ایک شخص کی مثال بیان کی گئی ہے۔ اکثر مفسّرین کا اجماع ہے کہ اس کا نام بلعام بن باعورا تھا۔ یہ بنی اسرائیل کا ایک نہایت عالم و فاضل اور عابد و زاہد انسان تھا اور بنی اسرائیل میں اس کا بڑا اثر تھا، لیکن ایک عورت کے اغواء و اضلال کے نتیجے میں، گویا شہوت سے مغلوب ہو کر یہ پستیوں کی جانب چل نکلا اور اس کا سارا علم و فضل اور زہد و ورع ختم ہو کر رہ گیا۔

اس آیۂ مبارکہ میں "وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ" کے الفاظ بہت قابلِ توجّہ ہیں۔ اس لیے کہ انسان کا وجود مرکّب ہے دو وجودوں سے ــــــ ایک وجودِ حیوانی جو زمین کی مٹی ہی سے بنا ہے اور اسی سے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اور اس کی جانب اس وجود کی پوری توجّہ مرتکز رہتی ہے۔ اور دوسرا وجودِ روحانی جو علوی الاصل ہے، اس لیے کہ روح کی نسبت ذاتِ الٰہی سے ہے، بفحوائے الفاظِ قرآنی: وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ "اور (اے نبی) یہ آپ سے رُوح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے! کہ رُوح میرے ربّ کا امر ہے!" اسی طرح دو مقامات پر فرمایا گیا: فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ "اور جب میں اُسے پوری طرح بنا کر تیار کر دوں اور اُس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے آگے سجدے میں!"

الغرض روحِ انسانی کی نسبت ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب! اس طرح اس کی تغذیہ و تقویت کا سامان بھی آسمانی ہی ہے یعنی کلامِ ربّانی۔ اور اگر کلامِ ربانی کے ذریعے اس کو تقویت حاصل ہو جائے تو اس کی پرواز ہوتی ہے عالمِ ملکوت کی جانب، جسے یہاں تعبیر کیا: "وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا" کے الفاظ سے۔ مطلب یہ کہ ہم نے تو اسے اپنی آیات عطا فرمائی تھیں اور اُس

کے لیے رفعتوں اور بلندیوں کا راستہ کھول دیا تھا لیکن وہ بدنصیب اور بدبخت انسان زمینی خواہشات اور شہوات ہی کی جانب جھکتا چلا گیا ــــــ نتیجۃً شیطان کو اس پر پورا تسلّط حاصل ہو گیا اور اس نے اسے گمراہی کی آخری حدوں تک پہنچا کر دم لیا۔ اب اس کی کیفیت کتّے کی سی ہو گئی ہے، جس میں حرص کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ وہ جب چلتا ہے تو خواہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہی کیوں نہ ہو، لازماً زمین کو سونگھتے ہوتے ہی چلتا ہے کہ شاید کہیں سے کوئی چیز اور ایسی مل جائے جسے پیٹ میں ڈال لے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زبان ہر وقت نکلی ہی رہتی ہے اور اُس کی رال ہر وقت ٹپکتی ہی رہتی ہے۔ حتّٰی کہ اگر کوئی کنکر یا کوئی دوسری چیز اُسے ماری جائے تو اسے بھی ایک بار تو لپک کر پکڑ لیتا ہے اور سونگھتا ہے کہ شاید یہ بھی کوئی کھانے ہی کی چیز ہو۔

آخر میں یہ ارشاد ہوا کہ یہ مثال ہے اُس قوم کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ واضح رہے کہ یہاں جھٹلانا سے مراد زبان سے جھٹلانا نہیں، عمل سے جھٹلانا ہے۔ چنانچہ یہی الفاظ آئے ہیں سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا آیت کے آخر میں بھی کہ: بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ "بُری ہے مثال اُن لوگوں کی جو اللہ کی آیات کو جھٹلائیں!" اب ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل نے تورات کی زبان سے تکذیب کبھی نہیں کی۔ اُن کی تکذیب عملی تھی یعنی اُن کا عمل ایسا تھا جس سے وجودِ تورات کی تکذیب ہو جاتی تھی۔ افسوس کہ بعینہٖ یہی حال اس وقت اُمّتِ مسلمہ کا ہو چکا ہے کہ زبان سے تو قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ ہے لیکن عمل سے اُسے جھٹلایا جا رہا ہے۔ زبانی دعویٰ تو یہ ہے کہ قرآنِ حکیم مکمّل ضابطۂ حیات ہے اور کامل ہدایت نامہ ہے۔ لیکن عمل سے ہم دُنیا کے سامنے جو شہادت پیش کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن میں زندگی کے عملی معاملے کے لیے کوئی رسائی موجود نہیں ــــــ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اور اس طرزِ عمل کا اصلی سبب ظاہر ہے کہ وہی ہے جو اس آیت میں دی گئی تمثیل میں بیان ہوا یعنی لذّاتِ دُنیوی کی طلب اور خواہشات وشہواتِ نفسانی کا غلبہ! اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں لعنتوں سے نجات عطا فرمائے اور قرآنِ حکیم کو عملی طور پر اپنا امام و رہنما بنانے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم دوبارہ دینی و دنیوی دونوں طرح کی رفعتوں سے ہم کنار ہو سکیں۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔" اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآنِ حکیم کی بدولت قوموں کو سربلندی عطا فرمائے گا، اور اس کو ترک کر دینے کے باعث ذلیل و رسوا کر دے گا!" (رواہ مسلم)

© rasailojaraid.com